تحریکِ پاکستان میں اقبال کا سیاسی کردار: پاکستانی مؤرخین کی نظر میں

عابدہ اقبال زیدی*

Abstract

In this article the author has critically discussed the writers of Pakistan Movement, especially how they have placed Sir Muhammad Iqbal in the scenario of Pakistan Freedom Movement. She emphasized that all the writers focus on Iqbal deliberation on the idea of Pakistan in his Allahabad address of 30 December 1930. The writers do not bother to go further than this aspect of Iqbal in Freedom Movement. They have not shown further interest in Iqbal's contribution for Pakistan Movement. They do not mention about his speeches at Anjuman-i-Himayat-i-Islam at Lahore. They do not take the pains to probe the correspondence between Iqbal and Jinnah from 1933 to 1938. How Iqbal in his letters elaborated the idea of Pakistan.

Abida Iqbal Zaidi's article is important as it invites historians to further probe Iqbal. She has mentioned books and authors, whom she considers have not placed Iqbal on the right pedestal of Freedom Movement.

Iqbal has continuously been deliberating on freedom, on self-respect, inspiring the Muslim of India in particular and Muslims of the world in general to invoke qualities of self-relization and climb the stairs of research knowledge and glory.

علامہ اقبال کی شخصیت عالمی شہرت کی حامل ہے۔ اقبال کو اپنوں نے شاعرِ مشرق اور مفکرِ پاکستان جیسے خطابات سے نوازا ہے۔ اقبال کے فلسفے، شاعری اور فکری صلاحیتوں کو پوری دنیا میں، خصوصاً مغربی دنیا میں سراہا گیا ہے۔ انہوں نے بہت شہرت پائی۔ان کی شخصیت بے بہا خصوصیات کی

لیکچرار گورنمنٹ وقارالنساء کالج برائے خواتین، راولپنڈی

حامل تھی اور بہت سے پہلو رکھتی تھی۔ ہر مکتبہء فکر کے افراد نے انہیں اپنی تحقیق اور تجزیہ کا موضوع بنایا۔فارسی بولنے والے علاقوں میں ان کی پسندیدگی اور شہرت بہت نمایاں ہے۔

کہیں اقبال کو بطور فلسفی زیرِ بحث لایا گیا اور کہیں بطور شاعر ان کے کلام پر کتب لکھی گئیں۔ ان کا فکری اور سیاسی کردار بھی تجزیہ اور تنقید کا موضوع بنا اور بہت سے لوگوں نے متعدد تصانیف لکھیں۔ اس فہرست میں ہر گروہ کے افراد کا نام آتا ہے۔ سیاسی مدبّرین، تحریکِ پاکستان اور تحریکِ آزادیِ ہند کے مورخین اور سیاسی شخصیات جنہوں نے تحریکِ پاکستان اور آزادیِ ہند کے مختلف ادوار کا براہِ راست مشاہدہ کیا تھا یا وہ اس میں ذاتی طور پر شریک تھے، سب نے اپنے اپنے انداز میں طبع آزمائی کی ہے۔ ان تمام تصانیف میں ایک بات کسی حد تک مشترک نظر آتی ہے اور یہ کہ اقبال کی تمام سیاسی خدمات کو اور خاص طور پر ان کی زندگی کے آخری چند سال جو انہوں نے صرف اور صرف ملکی سیاست کی نظرکر دیئے تھے، نظر انداز کر دیا جاتا ہے یا اقبال کے سیاسی کردار کو بہت ہی سرسری انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔

اقبال تصورِ پاکستان کے خالق ہیں۔ان کے مفکّرِ پاکستان ہونے میں یا اس حقیقت میں کہ اقبال نے ہی پاکستان کا خواب دیکھا تھا، میں کسی کو شک یا اعتراض نہیں ہونا چاہیے، مگر جب مورخین کی تصانیف کا جائزہ لیتے ہیں تو اقبال کی سیاسی خدمات کے سلسلے میں صرف ۱۹۳۰ء کے خطبہء الٰہ آباد کا ذکرہی ملتا ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اقبال نے مشقِ سخن کے ساتھ ساتھ ملکی اور قومی سیاست میں ہمیشہ نمایاں حصہ لیا۔کہیں انہوں نے کشمیریوں کے سیاسی حقوق کے لئے آواز بلند کی اور ان کی تحریک میں حصہ لیا اور کہیں ہندی مسلمانوں کے حقوق کے استحصال کے خلاف اور ان کے تشخص کو اجاگر کرنے میں بہت اہم اور فعال کردار ادا کیا۔ مقامی سیاست سے قطع نظر اقبال مسلمانوں کی بین الاقوامی حالتِ زار سے پریشان تھے اور بیسویں صدی کے اوائل میں، جنگِ عظیم اوّل سے قبل اور بعد کے سیاسی حالات اور مغرب کی سامراجی قوتوں کی سازشوں سے وہ بخوبی آگاہ تھے اور ان کا مسلسل جائزہ لے رہے تھے۔ اس طرح وہ مسلمانوں پر ان تبدیلیوں کا تجزیہ کر کے اپنے کلام کا موضوع بھی بناتے ہیں۔

اقبال ایک حساس اورنرم دل کے مالک تھے اور وہ انسانیت کی ترقی اور بقا کے لئے کوشاں تھے۔ ان کی سوچ اورکاوشوں کا مرکز و محور مسلمانوں کی فلاح و بہبود تھا، چاہے وہ ہندوستان سے باہر دنیا کے کسی بھی خطے میں ہوں یا برِصغیر میں اپنے گرد و نواح میں ہوں۔ انہیں یہ احساس ہوگیا تھا کہ مسلمان زندگی کے ہر میدان میں کمزور اور پیچھے ہیں اور وہ اس وقت تک اقتصادی اور معاشی طور پر

مستحکم نہیں ہو سکتے جب تک وہ سیاسی طور پر مضبوط نہ ہوں اور ان کا مذہب اس وقت تک غیر محفوظ ہے، جب تک انہیں کوئی سیاسی حیثیت نہ ملے۔ وہ ہر لحاظ سے ہندوؤں سے پست رہیں گے جب تک ان کی سیاسی حیثیت استوار نہیں ہو گی۔ بقول اقبال ، گویا مسلمانوں کی اقتصادی ، مذہبی اور معاشرتی ترقی کا دارومدار اُن کی سیاسی ترقی پر منحصر تھا۔ یہ احساس برِصغیر کے سیاسی راہنماؤں اور مفکرین کو 1930ء سے بہت پہلے ہو چکا تھا اور اقبال ان میں سرِ فہرست تھے۔

تقسیمِ بنگال کا واقعہ 1905ء میں ہوتا ہے اور شملہ وفد کی تشکیل 1906ء میں ہوتی ہے، دیگر تمام سیاسی واقعات ،یعنی تجاویزِ دہلی ہوں یا سائمن کمیشن، اقبال مسلمانوں کی سیاسی راہنمائی کرتے ہیں۔وہ اپنی بصیرت کوزورِ بیان اور زورِ قلم کے ذریعے عوام تک پہنچاتے ہیں اور بھرپور انداز میں ہندوستان کی سیاست میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں، لیکن جب سیاست کا تذکرہ ہو تواقبال کا ذکر نہایت مختصر کیا جاتا ہے یا ان کونظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ یہ ان کی شخصیت اور خدمات سے نا انصافی نہیں تو اور کیا ہے اور اگر یہ چشم پوشی ایک عام شہری یا اقبال کا کوئی حریف کرے تو کیا نظرانداز کیا جاسکتا ہے۔ برِصغیر کی سیاسی جدو جہد کی داستان میں تحریکِ پاکستان کے مورخین کی تصانیف کے مطالعہ سے اس زیادتی اور کمی کا احساس شدت سے ہوتا ہے۔تحریکِ پاکستان پر لکھنے والوں نے اقبال کی خدمات کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے۔

اقبال کا سیاسی کردار مسلم ہندوستان کی تاریخ میں ایسی حقیقت ہے جس کو نظر انداز کرنے کی کوشش کو کامیاب نہیں ہونا چاہئے۔کم از کم پاکستان کے سیاست اور تاریخ کے ہر طالب علم اور سکالر کو یکساں دانستہ طور پر پوری کوشش کرنا چاہئے کہ اس تاریخی غلطی کا جتنا بھی جلدی ازالہ ہو سکے، ہونا چاہئے۔ اقبال کے سیاسی اور تہذیبی افکار کی تاریخ چالیس سالوں پرمحیط ہے، چند سال کی بات نہیں۔ اس کے باوجود مورخین نے اقبال کے سیاسی کردار کو نظر انداز کرنے کی اخلاقی غلطی کی ہے، حالانکہ ان سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ ان کی نظر سے ہر چھوٹے اور بڑے تاریخی حقائق اور واقعات بچ نہ پائیں اور وہ پوشیدہ نکات کو بھی تجزیہ کی چکی سے گزار کر متعلقین تک پہنچائیں۔ مذکورہ غلطی کا نتیجہ یہ نکلا کہ طلبا، تاریخ اور سیاست سے دلچسپی رکھنے والے قارئین،جو مؤرخین کی کتب سے فیض یاب ہو رہے ہیں اور اقبال کے سیاسی کروار کے بارے میں تجسس رکھتے ہیں، مایوسی اوراُلجھن کا شکار ہیں۔

موجودہ نسل، اقبال اورتحریکِ پاکستان کے دور سے متصل دور کی پیداوار ہے۔ ان میں 'اقبال دور' کے شاہد موجود رہے ہیں یا صرف ایک واسطہ سے ان تک زبانی، اخبار و رسائل یا ریڈیو اور ٹیلی وژن

کے پروگراموں کے ذریعے بہت سے تاریخی اورادبی واقعات پہنچتے رہتے ہیں اور جب وہ تدریسی نصاب اور کتب میں یا عام مطالعہ کی تاریخ کی کتابوں میں ، اقبال سے متعلق کچھ نہیں پاتے تو ان کی نظر میں اقبال کا کردار اور شخصیت واضح ہونے کی بجائے دھندلا جاتی ہے، لہٰذا ان کا الجھن کا شکار ہونا نہایت قدرتی ہے۔ اقبال مصورِ پاکستان، مفکرِاسلام کی حیثیت رکھتے ہیں اور عوام و خواص میں ہر دل عزیز بھی ہیں، مگر ظاہری طور پر ان کا کردارسیاست میں بہت مختصر اور کم نظر آتا ہے۔

ان کی سیاسی زندگی ،ان کی خدمات اور مسلمانوں کیلئے سیاسی میدان میں ان کی کوششیں بیان کی گئی ہیں۔ اقبال نے زیادہ تر شاعری کے ذریعے سیا سی حالات اور ان کے قومی زندگی پر اثرات و نتائج سے عوام کو آگاہ کیا۔دنیا میں ہونے والے سیاسی واقعات اور ان سے متعلق کرداروں کو نظموں میں بھی بیان کیا۔ انہوں نے عام مسلمان کو بھی دنیا کے سیاسی حالات کا قاری بنا دیا اور خصوصاً برصغیر کے مسلمان جو کہ 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعدغلامی کی زنجیروں میں قید تھے اور جاہلیت اور معاشی پستی کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے تھے، کو مقامی اور بین الاقوامی سیاسی واقعات و سازشوں سے آگاہ کرنے کیلئے اقبال نے اپنی تحریروں کا سہارا لیا۔اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ دنیا کے کسی بھی خطّے کے مسلمانوں پر اگر ظلم ہو رہا تھا تو اس کے ذکر سے برِصغیر کے مسلمانوں کی آنکھیں بھی اشکبار تھیں۔ یہ تمام اقبال کی سیاسی خدمات تھیں۔ وہ ہر بات جو ایک سیاسی راہنما اپنی سیاسی تقریر کے ذریعے اپنی قوم سے کہتا ہے، اقبال وہ اپنی شاعری کے ذریعے سے بیان کرتے ہیں۔

تحریکِ پاکستان کے حوالے سے ہمارے سامنے دوقسم کے مصنفین آتے ہیں۔ ایک تو وہ جو براہِ راست تحریکِ پاکستان کا حصّہ رہے اور ہم ان کے تجربات اور مشاہدات سے مستفید ہوتے ہیں، دوسرے وہ لوگ جو صرف مؤرخ کے طور پر تحریکِ پاکستان کو پیش کرتے اور اُن واقعات پر اپنا تجزیہ قلم بند کرتے ہیں۔سب سے پہلے ان شخصیات کو زیرِ بحث لایا گیا ہے ، جو بذاتِ خود برِ صغیر میں تحریکِ آزادی کا بالعموم اور تحریکِ پاکستان کا بالخصوص حصہ بنے اور اس ضمن میں رونما ہونے والے واقعات کے شاہد تھے جو بعد میں پاکستان کی صورت میں وجود میں آیا۔ظہورِپاکستان کے مصنف چوہدری محمد علی ہیں۔ یہ کتاب انہوں نے "The Emergence of Pakistan" کے نام سے انگریزی میں لکھی، جس کا ترجمہ 'ظہورِپاکستان' کی شکل میں ہمارے سامنے آیا ہے۔ چوہدری محمد علی جو مسلمانوں کے اُن رہنماؤں میں سے تھے، جنہوں نے الگ وطن کے حصول کیلئے کوششیں بھی کیں، نے بالعموم تحریکِ آزادی اور بالخصوص تحریکِ پاکستان کے تمام مراحل کو نہایت قریب سے دیکھا۔ اُن کی اِس کتاب میں

تحریکِ پاکستان کا مکمل تاریخی پسِ منظر اور پاکستان بننے کے محرکات کا جائزہ لیا گیا ہے اور چوں کہ وہ قیامِ پاکستان کے بعد اس کی سیاست میں بھر پور طور پر شامل رہے اور ملک کے وزیرِاعظم بھی رہے، لہٰذا پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد کے حالات اور واقعات کو بیان کیا اور ان پر اپنی رائے کا اظہار کیا، جس میں ابتدائی سیاسی اور انتظامی مشکلات قابلِ توجہ ہیں۔

چوہدری محمد علی کی اِس کتاب کو جب ہم علامہ اقبال کے حوالے سے دیکھتے ہیں تو اقبال کا ذکر 1930 ء کے اِلہ آباد کے خطبے کے حوالے سے آتا ہے۔ انہوں نے اقبالؒ کے تاریخی خطبے کی سیاسی اہمیت کو اجاگر کیا اور اقبال کے مشہور مطالبے کو واضح کیا جس میں انہوں نے علیحدہ مسلمان ریاستوں کی ضرورت اور مطالبے کے حق میں دلائل دیئے، جو انگریز اور ہندو لیڈرشپ دونوں کیلئے یکساں طور پر نہ قابلِ تردید تھے۔مصنف نے اِس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اقبال ہی وہ شخصیت تھے ، جس نے سیاسی پلیٹ فارم سے پہلی بار مسلمانوں کو ایک اقلیت نہیں بلکہ ایک الگ 'قوم' کے طور پر پیش کیا۔اسلام کو ایک مضبوط اور منظم نظامِ حیات ثابت کیا اور یہ بھی واضح کیا کہ اس نظام پر عمل صرف آزاد ریاست میں رہ کر ہی ممکن ہے، کیوں کہ یہ نظام نہ تو کسی دوسرے نظام کو قبول کر سکتا ہے اور نہ ہی اُس میں ضم ہو سکتا ہے۔چوہدری محمد علی اپنی تصنیف ظہورِ پاکستان میں لکھتے ہیں :

"دسمبر 1930 ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس الہٰ آباد میں منعقد ہوا۔ اُس زمانہ میں مسلم لیگ سرگرمیٔ عمل کے لحاظ سے کوئی نمایاں جماعت نہیں تھی۔ یہ اجلاس بھی خاموشی سے گذر جاتا، مگر اس کا ایک غیر معمولی پہلو یہ تھا کہ اس اجلاس کی صدارت ایک شاعر کر رہے تھا، جن کا خطبۂ صدارت بھی غیرمعمولی تھا۔ یہ امر مسلّم ہے کہ اقبالؒ مسلم ہند کے سب سے بڑے فلسفی شاعر ہیں۔ اقبال نے اپنے خطبے میں ملک کے سیاسی منظر کا جائزہ لیا، اور فلسفیانہ بصیرت سے اسے روشن کیا۔ بڑے ہی واضح اور مؤثر الفاظ میں انہوں نے اس منزلِ مقصود کی نشاندہی کی جس کی طرف مسلم قوم کی شعوری اور غیر شعوری مساعی اسے لے جا رہی تھیں۔" ١

اس کے بعد وہ خطبۂ الہٰ آباد کے وہ اصل الفاظ بیان کرتے ہیں جن میں اقبال نے پنجاب ، شمال مغربی سرحدی صوبہ، سندھ اور بلوچستان پر مشتمل ایک ریاست بنانے کا مطالبہ پیش کیا ہے۔

"اب پہلی مرتبہ ایک مستند پلیٹ فارم سے ایک ایسے شخص نے ایک مسلم ریاست کے قیام کی تجویز پیش کی ، جو نہ صرف دانش اور تدبّر کے اعتبار سے بہت اونچے مقام پر فائز تھا بلکہ وسیع رسوخ کا بھی مالک تھا۔ ایک نئے زاویۂ نگاہ نے تصویر کو بالکل بدل کر رکھ دیا۔ مسلمان ،جو اِس سے پہلے

اپنے آپ کو محض ایک اقلیت سمجھتے تھے اور اپنے ثقافتی ، اقتصادی اور سیاسی مفادات کے تحفظ کی نومیدی سے جستجو کیا کرتے تھے۔ اقبال کی اس تجویز کے بعد وہ اپنے آپ کو ایک قوم تصور کرنے میں حق بجانب تھے ، جو اپنی سرزمین میں اسلام کی اساس پر ایک آزاد عادلانہ نظام قائم کرے۔" ۲

جب ہم اس کتاب کا تجزیاتی جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ چوہدری محمد علی نے اقبال کے سیاسی کردار کو صرف اور صرف خطبہ الہ آباد تک محدود کر دیا ہے۔ان کا خیال ہے کہ مسلم لیگ کا وہ جلسہ جو کہ الہ آباد میں 1930ء میں منعقد ہوا، وہ بھی دوسرے جلسوں کی طرح گزر جاتا، کیونکہ یہ کوئی خاص سیاسی جماعت کا جلسہ نہ تھا اور نہ ہی اس میں کوئی غیر معمولی بات ہوئی تھی، مگر یہ خطبہ اس لئے اہم ہو گیا کہ اس کی صدارت ہندوستان کے ایک فلسفی شاعر کر رہے تھے اور اس لحاظ سے ان کا خطبہ صدارت بھی اہمیت کا حامل ہو گیا۔چوہدری صاحب یہاں اقبال کو فلسفی اور شاعر کہتے ہیں انہوں نے سیاست دان کی نسبت اقبال کو ایک عظیم فلسفی اور شاعر کے طور پر پیش کیا ہے۔مگر اس کے بعد جب وہ خطبے کا ذکر کرتے ہیں کہ اقبال نے دوران خطبہ ملک کے سیاسی حالات کا جائزہ لیا اور مسلمانوں کی منزل مقصود کی طرف اشارہ کیا اور منزل کو پانے کے لیے مسلمانوں کی رہنمائی کی۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ایک فلسفی اور شاعر اس قدر سیاسی بصیرت رکھتا ہے کہ وہ کل ہند کے سیاسی مسائل کا جائزہ لے رہا ہے اور ان مسائل کا حل تلاش کر کے اپنی قوم کے لیے جس کی کہ وہ نمائندگی کر رہا ہے ، پیش کر رہا ہے۔یہ وہ دور تھا جب برصغیر کے سیاسی حالات اس قدر الجھے ہوئے تھے اور اس دور پر مسلمانوں کے علاوہ انگریز ،جو کہ حاکم قوم تھی اور ہندو قوم جو کہ مسلمانوں کی نسبت آبادی میں کہیں زیادہ اور اپنی اکثریت کی بنیاد پر مسلمانوں پر مسلّط ہونے کی کوشش کر رہی تھے، یہ دونوں قومیں ہندوستان کے مسائل پر غور کر رہی تھیں اور اپنے اپنے مفادات کی خاطر تجاویز دیتی تھیں۔کانگرس اپنے مفاد کے مطابق تجاویز پیش کرتی تھیں اور انگریز اپنے مفاد کی خاطر ملک میں اصلاحات نافذ کرتا تھا، مگر ان دونوں قوموں کی طرف سے کوئی مکمل اور جامع لائحہ عمل سامنے نہیں آیا جب کہ مسلمانوں کی طرف سے ایک ایسا منصوبہ پیش کیا جاتا ہے جو مکمل طور پر سیاسی بصیرت کا نمونہ ہے۔ یہ منصوبہ کوئی سیاسی رہنما نہیں بلکہ ایک فلسفی شاعر پیش کر رہا ہے یہ ایک عجیب سی بات ہے۔

اس کے بعد چوہدری محمد علی، اقبال کی ان تجاویز کی تعریف کرتے ہیں جو کہ انہوں نے اس خطبے میں دیں، انہوں نے اس بات کا اعتراف بھی کیا کہ اقبال نے مسلمانوں کو ایک اقلیت نہیں بلکہ ایک قوم ثابت کیا ہے اور اس قوم کے حقوق کی حفاظت کے لیے ایک انصاف پر مبنی نظام سیاست کا

مطالبہ کیا۔ یہ کام بھی کسی عام شاعر کا نہیں ہوسکتا۔چوہدری محمد علی نے اقبال کی دانشمندی اور تدبر کا اعتراف کیا ہے، مگر ایسا کس طرح ممکن ہے کہ اتنا با صلاحیت انسان جوکہ اس وقت تو مسلمانوں کو ان کی منزل دکھا رہا ہے اس سے قبل وہ بالکل خاموش رہا۔ اگر اقبال اتنے باصلاحیت تھے تو انھوں نے 1930ء سے قبل بھی مسلمانوں کی رہنمائی کی ہوگی اور اگر کی ہے تو اس کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟ اگر خطبہ الہ آباد سے قبل اقبال کی صرف زندگی کا جائزہ بھی لے لیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح سامنے آجاتی ہے کہ اقبال نے باقاعدہ طور پر مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی کی ہے جو کہ صرف اور صرف ایک سیاسی رہنما ہی کر سکتا ہے۔

چوہدری خلیق الزمان بھی تحریکِ پاکستان کے ایک نامور رہنما تھے۔ انہوں نے ہندوستان میں عمومی طور پر اور یوپی میں خصوصی طور پرتحریکِ پاکستان کو آل انڈیا مسلم لیگ کے پرچم تلے منظم کرنے میں شاندار خدمات انجام دی ہیں۔ اپنی کتاب *Pathway to Pakistan* میں انہوں نے تحریکِ پاکستان میں اقبال کے کردار پر روشنی ڈالی ہے۔

"These were of course the poems which had made Iqbal the idol of Muslim youth. Till then the Allama Iqbal had not taken to the writing of the philosophical verses and poems which later became the subject of discussion in Punjab Society over cups of wine. We loved Iqbal the Revolutionary, calling upon his people to rise to action; Iqbal who introduced Muslim heroes in their true glory, the Iqbal who by his new interpretation of Quranic injunctions put life into what had been made stale by philosophical ponderings".[۳]

The Muslim League Session of this year, over which the great poet. Dr. Sir Mohammad Iqbal, presided, was held at Allahabad. It is needless to recount his services to the country for they are too well known. He had not only inspired the Muslim leaders but awakened the masses through his poetic gift to a growing sense of pride in their history and a keen desire for the evolution of a dynamic ideology . He had already given so much to Indian Muslims which they could never forget, but at Allahabad in a thought-provoking address he again called upon to open their eyes and look around. He said, I would like to see Punjab, Sindh and Balochistan amalgamated into a

single state, self government with in the British Empire or without the British Empire".[۴]

یہاں اقبال کے خطبے کے الفاظ کا ذکر ہے کہ وہ سندھ، پنجاب، سرحد اور بلوچستان کو ایک ریاست دیکھنا چاہتے ہیں۔ مصنف نے یہاں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اقبال نے مسلمان اکثریتی کے صوبوں کوایک ریاست کے طور پر دیکھنا چاہا ہے۔

اس کے بعد مصنف بیان کرتا ہے :

" Thereafter in November- December 1930 during the first Round Table Conference Choudhri Rehmat Ali met many Muslim Leaders in London and explained to them his scheme of partition, for the first time giving it the name of Pakistan (P for Punjab, A for Afghanistan, K for Kashmir, S for Sindh and -istan for Balochistan), and finally in December 1930 Allama Iqbal himself unfolded the scheme as the President of the all India Muslim League Session held at Allahabad".[۵]

مصنف نے جو یہ اعتراض کیا کہ اقبال نے چوہدری رحمت علی کا پلان1930ء میں پیش کر دیا تھا، اگر رحمت علی نے یہ منصوبہ بنا لیا تھا تو 1930ء یا اس سے قبل کیوں نہیں پیش کیا اور 1933ء میں کیوں پیش کیا۔

" The clarion call of Allama Iqbal in the 1930 Session of the Muslim League at Allahabad had failed to attract the attention even of the intellectual classes, much less of the masses."[۶]

یہاں اقبال کے خطبے کو نہایت غیر اہم قرار دیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اقبال کا یہ خطبہ پڑھے لکھے طبقہ کے لئے پرکشش نہ تھا، اگر یہ حقیقت ہوتی تو اس خطبے پر ہندو اخبارات میں جو زہر فشانی کی گئی تھی وہ نہ ہوتی۔ ہندو سیاستدانوں کا ردِعمل اس بات کی دلیل ہے کہ اقبال نے اس خطبے میں ہندوستان کے مسلمانوں کے مستقبل کے لئے نہایت اہم تجویز دی تھی۔

چوہدری محمد علی کے بعد چوہدری خلیق الزمان ایسی شخصیت تھے، جنہوں نے حصولِ پاکستان کی کوششوں میں حصہ لیا۔ وہ بھی تحریکِ پاکستان کے ایک فعال اور اہم رکن تھے۔ ان کی تحریر ان کے اپنے تجربات اور مشاہدات پر مبنی ہے۔ وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے سرکردہ رہنماؤں میں سے ایک تھے،خصوصاً ان کا یو پی کی مسلم سیاست میں ایک کلیدی کردار تھا اور وہ یو پی اسمبلی میں مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کے سربراہ تھے۔ تحریکِ پاکستان میں اپنے عمل و کردار کے علاوہ انہوں نے دوسرے

رہنماؤں اور کارکنوں کی سرگرمیوں کو بھی قریب سے دیکھا، لہٰذا ان کی کتاب دراصل ان کی سیاسی زندگی کے تجربات اورمشاہدات کا نچوڑ ہے۔

خلیق الزمان کی کتاب Pathway to Pakistan کا جب علامہ اقبال کے حوالے سے جائزہ لیا گیاتو اس میں اقبال کی شاعری کی خصوصیات کا اعتراف کیا گیا ہے اور یہ ذکر بھی ملتا ہے کہ علی برادران ان کی شاعری کے دلدادہ تھے اور اُس دور میں اقبال مسلمانوں میں جوان طبقہ کے مقبول ترین شاعر تھے۔ مصنف نے اقبال کی سیاسی زندگی میں خطبۂ الہٰ آباد کا ہی ذکر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اقبال کی خدمات کو سب جانتے ہیں، جس کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے مسلمان لیڈروں کی رہنمائی کی ہے اور ہند کے مسلمانوں کو اپنے خیالات اور شاعری سے جگانے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ ایک ایسا رہنما جو سیاسی مقام کے اعتبار سے مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت رکھتا ہو اور دوسری طرف وہ عوامی سطح پر عوام کے دلوں پر حکومت کرتا ہو، عوام سے قلم کے ذریعے بات کرتا ہو ، ان کی اصلاح کرتا ہو ، ان کی زندگی کے میدان میں رہنمائی کرتا ہو ، نہ صرف مسلمانوں کی سیاسی، معاشرتی، اقتصادی یا مذہبی حالات سے باخبر ہو بلکہ ان کی مشکلات کے حل کیلئے کوشاں بھی ہو، لیکن ایسے شخص کا تحریکِ پاکستان میں خطبۂ الہٰ آباد سے پہلے ذکر تک نہ ہو اور نہ ہی سیاسی سٹیج پر کہیں نظر آئے۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ اِس سے قبل اقبال کی تمام تر سیاست اُن کے افکار اور شاعری میں تھی۔صرف برِصغیر کے مسلمانوں کا ہی کیا ذکر، اقبال تو ملّتِ اسلامیہ اوردنیاکے ہر خطے اور کونے میں موجود مسلمانوں کے حالات کے بارے میں فکرمند تھے، انہیں اپنے کلام کا موضوع بناتے ہیں۔اقبال کے دونوں ادوار یعنی خطبۂ الہٰ آباد سے قبل اوربعد کے زمانے کی سیاسی اہمیت کا ادراک غالباً موجودہ دور کا مسلمان اُن کی اپنی زندگی کے دور کے مسلمانوں اور رہنماؤں سے زیادہ رکھتا ہے۔اقبال کے خطبۂ الہٰ آباد کی سیاسی اہمیت سے اس دَور کے دُور اندیش سیاستدان قطع نظر اسکے کہ وہ اقبال کے ہم خیال تھے یا مخالف، بخوبی آگاہ تھے۔

اُس کے بعد اقبال نے سیاسی لیڈروں کی خوب رہنمائی کی۔خصوصاً جناح کے ساتھ خط وکتابت میں قیمتی مشوروں کے علاوہ ، ہر پل حالات سے اُنہیں باخبرکرتے رہے۔پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کے کردار میں اُس سے لاحق خطرات کے بارے میں وہ جناح کومسلسل آگاہ کرتے رہے۔اقبال برِصغیر کی سیاست میں مختلف حیثیتوں سے اپنا کردار ادا کرتے رہے ہیں، مگر اُن کی سیاسی خدمات کو وہ درجہ نہ مل سکا جس کے وہ مستحق تھے۔

چوہدری خلیق الزمان، ایوب خان کے دور تک رہے۔ یہ وہ دور تھا جس میں یہ تصور عام ہو رہا تھا کہ ماڈرن ازم اور اسلام اکٹھے نہیں چل سکتے۔ اس لئے انہوں نے ایسے نظریات کی مخالفت کی جن میں اقبال کو تصورِ پاکستان کا خالق قرار دیا جاتا تھا۔ انہوں نے تصورِ پاکستان کے خالق کے طور پر اقبال کی جگہ چوہدری رحمت علی کو اس کا حقدار قرار دیا۔

اشتیاق حسین قریشی نے اپنی تصنیف *The Struggle for Pakistan* میں تحریکِ پاکستان کا احاطہ کیا ہے۔ ان کا کسی حد تک عملی سیاست سے بھی تعلق رہا تھا، مگر انہوں نے تحریک میں براہِ راست حصّہ نہیں لیا۔ تحریک کے ہم عصر اور ایک مؤرخ ہونے کے ناطے تحریکِ پاکستان پر ان کی تحقیق کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ وہ اُس وقت کی سیاسی کاروائی کے براہِ راست شاہد تھے۔ پاکستان بننے کے بعد کے حالات پر ان کی تحریر اور تبصرہ اور بھی زیادہ اہم اور قابلِ اعتماد ہیں کیوں کہ اس دور میں نہایت مرکزی عہدوں، وائس چانسلر، وزیرِ تعلیم وغیرہ جیسے مرکزی عہدوں پر تعینات رہے۔

مصنف نے اپنی تصنیف میں اقبال سے پیشتر برِصغیر میں مسلم ریاست کا تصور پیش کرنے والوں میں جمال الدین افغانی، چوہدری رحمت علی ، ڈاکٹر عبدالجبار خیری اور پروفیسر عبدالستار خیری ، محمد عبدالقادر بلگرامی، لووٹ فریزر، ساورکر ، لالہ لاجپت رائے ، سردار گل خان، مولانا محمد علی اور آغا خان کا ذکر کیا ہے۔ مصنف اقبال کو اس لحاظ سے مختلف سمجھتے ہیں کہ اقبال نے مسلم ریاست کا تصور مسلم لیگ کی طرف سے بطور ایک اہم عوامی رہنما کے طور پر پیش کیا ہے۔ گویا وہ بھی اس سلسلے میں اقبال کے مسلم ریاست کے پیش کردہ تصور سے قبل اس کے لئے فکری یا نظریاتی اساس کو نظر انداز کرتے ہوئے اقبال کی تمام تر کوششیں جو انہوں نے مسلم ریاست کے قیام کے لئے کیں ، سے بھی چشم پوشی کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مورخ نے اقبال کی زندگی کے تمام پہلوؤں کا جائزہ نہیں لیا۔

وہ اپنی کتاب کے ایک باب جسکا عنوان *Movement for Pakistan* ہے، میں اقبال کا ذکر کچھ اس طرح کرتے ہیں:

> "Sir Muhammad Iqbal is generally credited with initiating the idea of separation. As has been mentioned, there were people before him who advocated partition, but Iqbal was the first important public figure to propound the idea from platform of the Muslim League. In his presidential address to the league's annual session at Allabad in 1930, he discussed the problem of India at length. The salient points of his address are summarized below in almost in his own words."[۷]

اس کے بعد خطبہ کے نکات بیان کئے گئے ہیں۔ مختصر طور پر خطبہ کا کچھ حصہ من و عن پیش کیا گیا ہے جو چند سطروں پر مشتمل ہے۔ پھر کہا جاتا ہے:

> Some writers have taken Iqbal to mean that he wanted only a consolidated Muslim unit within the confederation of India but this is incorrect. If that were so he would not have mentioned self-government within the British empire or without it . A resolution of the all parties Muslim conferences was, in his view, a demand for the autonomy of Islam within a free India. That is the reason why he pre-faced his remark by saying that personally he would like to go even further which could mean only independence. In the third Round Table conference Iqbal pleaded that there should be no central government in the subcontinent and that the provinces should be autonomous and independent dominions. Iqbal did not give a name of his projected Muslim state, that was the work of Rehmat Ali, to whom we now turn again. In January 1933, Chaudry Rehmat Ali and his three colleagues in Cambridge, issued a pamphlet entitled "Now or Never", in which the idea of Partition was reiterated"[۸]

اس کے بعد مصنف کہتے ہیں کہ اقبال نے "پاکستان" کا نام نہیں دیا۔ اس کا سہرہ چوہدری رحمت علی کے سر ہے کہ انہوں نے نئی ریاست کا نام تجویز کیا۔ اس کے بعد ان کی کتاب میں اقبال کا ذکر نہیں ہے۔ کتاب کے آخر میں Appendix 'B میں اقبال کے خطبۂ الٰہ آباد کا جائزہ لیا گیا ہے۔

مصنف اِس خطبہ اور اِس میں دیئے گئے تصور کو نہایت اہم اور ضروری سمجھتے ہیں اور اس عمل کو مسلمانوں کے علیحدہ وطن کے قیام کیلئے ضروری قرار دیتے ہوئے، بعد میں پاکستان کے قیام کی طرف پہلا قدم گردانتے ہیں۔ اُن کے بقول اگرچہ علیحدہ قومیت کا تصور پہلے سے موجود تھا مگر اس سے پہلے کسی بھی شخص نے اس تصور کو اتنے جامع اور مفصّل طور پر پیش نہیں کیا۔

پھر وہ خطبے کے کچھ نکات بیان کرتے ہیں۔ مصنف نے اقبال کی سیاسی کاوشوں کو صرف 1930ء کے حوالے سے ہی دیکھا ہے، جو یقیناً ناکافی ہے۔ یہ تصورات اقبال کے ذہن میں 1930ء میں اچانک اور یک دم نہیں آئے ہوں گے۔ اس کے تفصیلی تجزیہ کی خاطر ہمیں اقبال کی، 1930ء سے پہلے کی زندگی کو بغور دیکھنا ہو گا، ان کی خدمات اور ان کے کارناموں کا جائزہ لینا ہو گا اور جو تصورات

اور فلسفہ انہوں نے اپنی تحریروں اور شاعری میں پیش کئے، ان کے محرکات اور بعدازاں ان کے اثرات کا احاطہ کرنا ہوگا۔

اقبال کو صرف شاعر اور فلسفی کہنے والے ، ان کے سیاسی کردار کو اس لئے بھی تسلیم نہیں کرتے، کہ اقبال میں انہیں ایک روایتی سیاستدان نظر نہیں آتا جو تحریکوں میں سڑکوں اور جلسہ گاہوں میں آگے آگے ہوتا ہے۔ وہ اقبال کی اس سیاسی زندگی اور سیاسی کردار کو یکسر بھلا دیتے ہیں ، جس کے ذریعے انہوں نے اپنے خیالات اور کلام کے ذریعے، مسلمانوں میں قومی تشخص اور جذبہ پیدا کیا اور ایک علیحدہ وطن کی ضرورت کا احساس دیا، بلکہ مسلسل اس طرف اپنے کلام ، خطبات ، مضامین اور دیگر تحریروں کے ذریعے تلقین اور رہنمائی بھی کی۔ اُن کوششوں کا پھل ہمیں آزاد وطن کی صورت میں ملا۔

خالد بن سعید کی کتاب *Pakistan-The Formative Phase 1857-1948* پہلی بار 1960ء میں چھپی۔ مورخ نے اس کتاب میں 1948ء سے1857 ء کے تحریک ِ پاکستان کے حالات و واقعات تحریر کئے ہیں۔ جب ہم نے اس کتاب کا اس حوالے سے جائزہ لیا کہ اس میں تحریکِ پاکستان میں اقبال کا کردار کس حد تک پیش کیا گیا ہے، تو ہمیں اقبال کا ذکر، اس کتاب میں مندرجہ ذیل جگہوں پر نظر آتا ہے۔

> "A clear conception was given by Sir Muhammad Iqbal in his presidential address in Allahabad in 1930. Iqbal's conception was not only clear but comprehensive in the sense that it was based on both geographical and Ideological factors," I would like to see the Punjab, North West Frontier Pvovince, Sindh and Balochistan amalgamated into a single state. Self government within or without the British Empire".... It may be noted that Iqbal was thinking only for North-West India and not of Bengal. Secondly, he suggested the exclusion of Ambala Division and those districts where non-Muslim were in a majority from this non western Muslim State. In a way he was clearer than the formulators of the Lahore Resolution of 1940. West Pakistan of the future was to cover roughly the territory outlined by Iqbal. Thirdly, Iqbal was agreeable to the idea of the North western Muslim State forming a part of the Indian Federation, if 'residuary powers' were left entirely to self governing states.[۹]

خالد بن سعید نے خطبہٗ الہٰ آباد کا ذکر کیا اور کہا ہے کہ اقبال صرف شمال مغربی ہندوستان کے

بارے میں سوچ رہے تھے بنگال کا ذکر نہیں کرتے۔ دوسرا اقبال نے انبالہ ڈویژن کو اور غیر مسلم اکثریتی حلقوں کو مسلم ریاست سے خارج کرنے کی تجویز پیش کی تھی۔تیسرا اقبال نے اس بات سے اتفاق کیا تھا کہ شمال مغربی مسلم ریاست انڈین فیڈریشن کا حصہ ہو، صرف اس صورت میں جب کہ تمام تر Residuary Powers خود مختار ریاستوں کو دی جائیں اور جہاں تک یہ بات ہے کہ اقبال نے انڈین فیڈریشن کے حصے کے طور پر الگ ریاست مانگی تھی تو اقبال نے دونوں صورتوں کا ذکر کیا تھا کہ برطانوی فیڈریشن کے اندر یا برطانوی فیڈریشن کے باہر۔

ڈاکٹر ایوب صابر بنگال کے بارے میں یوں کہتے ہیں :

> بنگال کا ذکر خطبہ الہ آباد میں واضح طور پر موجود نہیں ہے۔ بنگال کی صورت حال مسلم اکثریت کے اعتبار سے شمال مغربی ہند سے مختلف تھی۔ اپنے خطوط بنام محمد علی جناح میں اقبال نے شمال مغربی ہند اور بنگال کے مسلمانوں کے حق خود اختیاری پر زور دیا۔ اگر قرار داد پاکستان 1940ء کے مطابق ابتداء سے دو مسلم ریاستیں قائم ہوتیں تو یہ بات اقبال کی تجویز کے مطابق بھی تھی۔ ایک ہی ریاست بنانے کا فیصلہ 1946 میں مسلم لیگ نے کیا"۔[۱۰]

بعد ازاں مصنف چوہدری رحمت علی کے بارے میں بیان کرتے ہیں :

> "Chaudhry Rehmat Ali is considered the originator of the word Pakistan. The word was used in a four page leaflet entitled 'Now or Never', published in Jan 1933, and signed, besides by Rehmat Ali, by three other students in Cambridge".[۱۱]
>
> There were two basic differences between Iqbal's scheme and that of Rehmat Ali. Unlike Iqbal's scheme, the provinces which constituted Rehmat Ali's Pakistan were to have a separate Federation of their own. Secondly, Rehmat Ali published a map of India which showed three independent Muslim Nations forming a tripple alliance. They were Pakistan in the North West, Bang e Islam; consisting of Bengal and Asam in the North East, and Usmanistan in the South formed by the state of Hyderabad".[۱۲]

خالد بن سعید نے خطبۂ الہٰ آباد میں اقبال کی پیش کردہ سکیم کا موازنہ چوہدری رحمت علی کے مرتب کردہ پمفلٹ سے کیا ہے۔ رحمت علی کا پمفلٹ چند صفحات پر مبنی تھا جبکہ اقبال کا خطبہ ایک تفصیلی منصوبہ تھا، جس میں نہایت تفصیل کے ساتھ دلائل دیئے گئے کہ الگ ریاستوں کا مطالبہ کیوں کیا

گیا تھا۔مصنف کے مطابق دونوں سکیموں میں دو تضادات تھے۔ رحمت علی نے تجویز کیا تھا کہ پاکستان ایک الگ فیڈریشن میں ہو گا جبکہ اقبال نے علیحدہ فیڈریشن کی بات نہیں کی ، دوسرا رحمت علی نے ایک نقشہ پیش کیا جس میں تین خود مختار مسلمان قومیں ہوں گی۔ یہ سکیم بھی قابل عمل نہیں تھی کیونکہ اس میں عثمانستان کا بھی ذکر تھا جبکہ ایسا ناممکن تھا۔

اقبال اور رحمت علی کی تجاویز دو مختلف زاویے تھے جن پر عمل کر کے الگ ریاست یا ریاستوں کا قیام عمل میں آسکتا تھا۔اقبال نے اپنی تجویز 1930ء میں پیش کر دی تھی اور جب انہوں نے اس تجویز کا ذکر رحمت علی سے کیا تو انہوں نے ان میں کچھ اپنے خیالات اور تجاویز کو شامل کر کے ایک الگ منصوبہ پیش کر دیا جو کہ 1933ء میں اپنے عنوان ' پاکستان' کے ساتھ سامنے آیا۔اس بات سے کہیں بھی یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ اقبال نے پاکستان کا تصور پیش نہیں کیا تھا یا مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ وطن کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔

مصنف نے علامہ اقبال کا ذکرتحریک خلافت کے رہنماؤں کے ساتھ کیا ہے، پھر آپ کا ذکر سکندر جناح سمجھوتہ کے بارے میں خدشات کے جناح کو آگاہ کرنے کے سلسلے میں آیا۔اقبال کے خطبۂ الہٰ آباد کا مختصراً ذکر ہے، اور کہا ہے کہ اقبال کا نظریہ واضح بلکہ نہایت جامع تھا، کیونکہ اس کی بنیاد دونوں جغرافیائی اور نظریاتی پہلوؤں پر تھی۔ وہ مزید لکھتا ہے کہ یہ بات قابلِ غور ہے کہ اقبال صرف شمال مغربی ہندوستان کے بارے میں سوچ رہے تھے اور بنگال کے بارے میں نہیں۔ اس کے خیال میں اقبال کا مغربی پاکستان کا نقشہ اورتقسیم کی بنیاد ، قراردادِ پاکستان سے زیادہ واضح تھی۔ خالد بن سعید نے بھی اقبال کو خطبۂ الہ آباد تک ہی سیاسی اہمیت دی ہے۔ مزید یہ کہ وہ اقبال کا تحریکِ پاکستان میں کردار کا موازنہ چوہدری رحمت علی سے کرتے ہیں۔ جو سراسر زیادتی ہے، کیونکہ اس طرح اقبال کی پوری زندگی کی محنت جو انہوں نے قوم کے احساس اور شعور کو بیدار کرنے ، اس کی اجتماعی شناخت اور انا کو سینچنے میں کی ، کو بیکار سمجھا۔ بعض مورخین کا یہی سطحی طرزِ فکر اور عمل اقبال کی سیاسی خدمات کونظرانداز کرنے کا باعث بنا۔

کے کے عزیز کی کتاب *The Making of Pakistan* ہے۔یہ کتاب 1967ء میں شائع ہوئی۔ کے کے عزیز کو ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں بہت پزیرائی ملی۔ ان کو بیرونِ ملک سے بلوایا گیا اور قومی ادارہ برائے تحقیقِ تاریخ و ثقافت جیسے اہم ادارے کو قائم کرنے اور اس کو چلانے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اس ادارے کا بنیادی کام تاریخ اور ثقافت پر تحقیق کرنا تھا۔ اس دوران مصنف نے متعدد

کتب تصنیف کیں۔

خورشید کمال عزیز کی اس کتاب کے ایک باب میں اقبال کا ذکر آتا ہے کہ انہوں نے گول میز کانفرنس میں مسلمانوں کی نمائندگی کی۔ اقبال کے 1930ء کے خطبے کا ذکر آتا ہے:

> In this speech he said that the principle of Europeon Democracy could not be applied to India. Communalism was indispensible to the formation of a harmonious whole in a country like India. The Muslims of India were the only Indian People who could fitly be described as a Nation, in the modren sense of the word, and then he came to the famous sentence which has earned him the title of the father of the Pakistan Idea," I would like to see the Pujab, Northwest Frontier Province, Sindh and Baluchistan amalgamated into single State.[۱۳]

یہاں پر مصنف کا خیال ہے کہ اقبال نے مسلم ریاست کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ انڈین فیڈریشن میں ایک مسلم بلاک کا مطالبہ کیا تھا:

> It must be remembered that Iqbal did not argue for the Muslim State, but only for Muslim Bloc in an Indian Federation. Moreover Bengal and Asam (the present East Pakistn, Bangladesh) did not enter into his calculations. It is grossly misleading to call him the originator of the idea of Pakistan or the poet who dreamed of the partition. He never talked of partition and his ideal was that of a getting together of the Muslim Provinces in the North-West, so as to bargain more advantageously with the projected Hindu centre. It is one of the myths of Pakistani nationalism to saddle Iqbal with the parentage of Pakistan".[۱۴]

ان کی تحریروں سے تو ایسا لگتا ہے کہ ہندوستان اور خصوصی طور پر مسلم ہندوستان کے سیاسی اور قومی منظر نامے میں اقبال کا کوئی قابلِ قدر اور نمایاں مقام نہیں۔ یہ طرزِ خیال افسوسناک معلوم ہوتا ہے۔ ہمیں تو یہ چاہئے کہ اقبال کی خدمات اور کارناموں کا اعتراف کیا جائے، ان کی پوری زندگی پر محیط تصانیف اور شاعری کا تجزیہ کیا جائے، برصغیر کے مسلمانوں کو بیدار کرنے کے ایک طویل سفر کو ایک مناسب پیمانے پر پرکھا جائے، تاکہ آنے والی نسلیں ان کی سیاسی خدمات اور قومی فرض شناسی کا ادراک کر سکیں، اور اقبال ان کیلئے ایک مشعلِ راہ ثابت ہوں۔ مزید یہ کہ اقبال کو فلسفہ اور شاعری

میں محدود کرنے کی کوششوں کا تدارک کیا جانا چاہئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اقبال فلسفہ اور شاعری کے آسمان کا بھی ایک درخشندہ ستارہ ہیں، مگر یہ ان کی زندگی کا صرف ایک پہلو ہے۔ کے کے عزیز، اشتیاق حسین قریشی اور چوہدری خلیق الزمان اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جن کی بھرپور کوشش یہ تھی کہ اقبال کی بجائے چوہدری رحمت علی کو مفکرِ پاکستان قرار دیا جائے۔

تاریخ نویسی میں مورخ کے درجے تک پہنچنے کے لیے چند صفات کا ہونا بہت ضروری ہے۔مورخ کو محقق ہونا چاہیے، یعنی وہ تحقیق کرے اور حقائق کو پیش کرے۔ تحقیق حقائق کی تلاش کا نام ہے، نہ کہ تحقیق کر کے آپ حقائق کی پردہ پوشی کریں۔ دوسرا، جو بھی حالات و واقعات ہیں ان کو سچائی اور ایمانداری سے بیان کریں۔تیسرا غیرجانبداری سے تاریخ کا جائزہ لیں اپنے جذبات اور احساسات کو الگ رکھ کر تاریخ نویسی کرنا چاہیے۔

ڈاکٹر وحیدالزمان جنہوں نے تحریکِ پاکستان پر Towards Pakistan کے عنوان سے ایک کتاب لکھی۔ اب تک جتنے بھی مورخین کا جائزہ لیا گیا ہے، ان کی نسبت، اس کتاب میں اقبال کا مناسب ذکر ملتا ہے، ان کی شاعری کے ذریعے سیاسی خدمات نظر آتی ہیں۔اس کتاب میں مصنف نے "Political Philosophy of Iqbal" کے نام سے پورا باب رقم کیا ہے۔ جس میں اقبال کی سیاسی زندگی کا ذکر موجود ہے۔

مصنف کی علامہ اقبال کی ذات اور زندگی پر رائے یہ ہے کہ:

> "All discussion of Iqbal's political activities and his contribution to Muslim political awakening must begin with the remark that Iqbal was in no sense a politician. His interest and his participation in practical politics was conformed almost entirely to the last decade of his life. He was essentially a poet and a political philosopher. In both fields he achieved high repute. Whether he was greater as a poet than a philosopher can hardly be determined, since the two pursuits were indissolubly linked. It is perhaps correct to say that his politico-philosophical and poetical utterances became "mixture of two blended into a political mysticism transcending them both". Although Iqbal was mainly preoccupied with his literary activities, a sensitive mind like his could not remain unconcerned with what was happening around him in the field of politics".[۱۶]

ڈاکٹر وحید الزمان نے اقبال کی زندگی کے حالات اور ان کی سیاسی سرگرمیاں کو بیان کیا ہے۔ اقبال کی ہر لمحے مسلمانوں کی رہنمائی کرنے کا ذکر بھی کیا ہے۔ مسلمانوں کے سیاسی حالات اور ان کی وجہ سے مسلمانوں کی ابتر حالت کا اقبال پر اثر اور اس کے نتیجے میں انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے جو مسلمانوں کی رہنمائی کی ہے وہ سب ہمیں اس کتاب میں ملتا ہے۔اقبا ل صرف برصغیر کے مسلمانوں کے لیے فکر مند نہیں ہیں بلکہ ان کو دنیا میں مقیم دوسرے مسلمانوں کے حالات کی بھی فکر ہے۔ وہ ان کی ترقی اور ان کے حقوق کی بھی حفاظت چاہتے ہیں۔اقبال کا کلام اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ سیاست سے کبھی بھی الگ نہیں رہے، انہوں نے نظموں کے ذریعے برصغیرکے سیاسی حالات کی عکاسی کی ہے نہ صرف برصغیر بلکہ برصغیر سے باہر مسلمانوں پر ہونے والے مظالم سے بھی اقبال بے بہرہ نہیں ہیں۔ وہ پوری ملت اسلامیہ کی مختلف ادوار میں رہنمائی کرتے ہیں تو ان کی سیاسی زندگی ان کی زندگی کے آخری عشرہ پر کس طرح مبنی ہوسکتی ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ صرف وحید الزمان ہی نہیں دوسرے تمام مورخین نے اقبال کی سیاسی زندگی کو خطبۂ الٰہ آباد سے شروع کیا ہے، جبکہ ایسانہیں ہے، بلکہ جب اقبال کی سیاسی فکر اپنے نقطہ عروج پر پہنچی تو وہ خطبۂ الٰہ آباد کی شکل میں ہمارے سامنے آئی ہے، اس کے پیچھے اقبال کی وہ تمام سرگرمیاں شامل ہیں جن کا آغاز انیسویں صدی کے آخر میں ہوگیا تھا۔اس کتاب سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اقبال صرف شاعر اورفلسفی تھے اور ان کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ بات اقبال ایسی ہمہ گیر شخصیت کے ساتھ نا انصافی ہے اور مصنف خود ان کی سیاسی زندگی پر روشنی ڈالتا ہے اور اس بات کا اقرار بھی کرتاہے کہ اقبال جیسا شعور رکھنے والا اور حساس شخص اپنے گرد ہونے والے سیاسی حالات سے کس طرح دور رہ سکتا ہے، مگر اس کے باوجود وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ اقبال سیاستدان نہ تھے۔ سیاستدان کی تعریف مصنف کی نظر میں کیاتھی؟ جوکہ اقبال میں نظرنہیں آتی۔ البتہ یہ بات تو حقیقت ہے کہ اقبال روایتی سیاستدان نہ تھے، اگر وہ صرف سیاستدان ہوتے تو شاید ہم ان میں وہ خصوصیات جوکہ عام سیاست دان میں ہوتی ہیں، دیکھ لیتے، مگر اقبال ایک عظیم شاعر ایک فلسفی اور مفکر اسلام تھے اور ان خصوصیات کے ساتھ وہ سیاسی فکر اور آگاہی رکھتے تھے اور مسلمانوں کی رہنمائی کرتے تھے۔

اقبال کی سیاسی فکر کا تجزیہ کرتے ہوئے مصنف بیان کرتا ہے کہ اقبال کے یورپ کے سفراور قیام نے ان کے خیالات کوبہت حد تک تبدیل کیا۔ مغربی معاشرہ کے انتہائی قریب سے مشاہدے اور اس میں پائی جانی والی برائیوں کو دیکھ کر اقبال کے خیالات میں ایک انقلاب آ گیا۔ وہاں ان کے

ذہن میں قومیت کے مروجہ پیمانے ٹوٹتے نظر آئے۔ خصوصاً یورپ کے نظریہِ قومیت کے نقائص کو واضح کرتے ہوئے اس پر کڑی تنقید کی اوراسلام اور اس کے اعلیٰ تصورات کی بنیاد پر مسلمانوں کو متحد دیکھنے کے خواہاں ہوتے ہیں اور اس طرح ان کے تیئں مذہب کی بنیاد پر قومیت کے تصور نے یورپی تصورِ قومیت کی جگہ لے لی۔

یورپ سے وطن واپسی پر اقبال ذہنی طور پر تبدیل ہو چکے ہیں، اب وہ ہندوستان کی سیاست کو بطور ہندوستانی نہیں دیکھ رہے بلکہ وہ بطور مسلمان کے دیکھ رہے ہیں۔ 1905ء میں تقسیمِ بنگال پر ہندوؤں کے ردِ عمل کے زیرِ اثر 1909ء میں اقبال کو جب Cosmopoliton Organization کی طرف سے دعوت ملتی ہے، تو وہ اس کو انکار کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہندو اور مسلمان اکٹھے نہیں رہ سکتے، اس دعوت نامے کے جواب میں اقبال نے لکھا:

> I have been myself of the view that religious differences should disappear from this country and even of their separate national entities is desirable for both the Hindus and the Muslims. The vision of a common nationhood for India is a beautiful ideal, and has a poetic appeal but looking to the present conditions and the un-conscious trends of the two communities, appears incapable of fulfillment.[17]

اس کتاب میں اقبال کا یہ بیان اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو الگ قوم کے طور پر روشناس کرایا ہے اور یہ کام ایک سیاسی بصیرت رکھنے والا شخص ہی کر سکتا ہے۔

اقبال 1911ء میں اطالویوں کے ہاتھوں مسلمانوں پر ظلم کو دیکھ کر انجمنِ حمایتِ اسلام کے سالانہ جلسے میں اپنی نظم 'شکوہ' سناتے ہیں۔ مسلمانوں میں جو سیاسی تنزل آچکا تھا اس کا انہیں کو بہت دُکھ تھا اور اس دُکھ کا اظہار وہ شاعری میں کر رہے تھے۔ اس میں ان کا خطاب، صرف ہندوستان کے مسلمان کیلئے نہیں بلکہ پورا عالمِ اسلام ہے اور مزید یہ کہ ان کا پیغام تو من وعن اسلام کا پیغام ہی تو تھا۔ بعد ازاں اقبال کے ان سیاسی افکار کا ذکر آتا ہے، جس کا عکس وہ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں، 1930ء میں الٰہ آباد میں، اپنے مشہور خطبہء صدارت میں پیش کر چکے ہیں۔

علامہ اقبال تحریکِ پاکستان کے بانی تھے۔ انہوں نے برِ صغیر کے مکمل سیاسی حالات کا بغور جائزہ لیا اور اس کے حل کی تجاویز پیش کیں اور اس بات پر زور دیا کہ پنجاب، سرحد، سندھ، اور بلوچستان کو ایک ریاست دیکھنا چاہتے ہیں۔

> I would go further than the demand embodied in it. I would like Punjab, North-West Frontier Province, Sindh and Baluchistan amalgamated into a single state. Self Government within the British Empire or without the British Empire. The formation of a consolidated North-West Indian Muslim State appears to me to be the final destiny of the Muslims at least of North-West India.[۱۸]
> This is the pith of Iqbal's address. Before examining the rest of the address, it is important to note that Iqbal was using the word 'State', not with the meaning of Sovereign Independent state, but as a component and constituent unit of India.[۱۹]

ڈاکٹر وحید الزمان نے اقبال کے خطبے کے الفاظ دیئے ہیں جس میں وہ الگ ریاست کا مطالبہ کرتے ہیں۔ دوسرے تمام مورخیں اور مصنفین کی طرح اس کتاب میں بھی علامہ اقبال کے خطبۂ الٰہ آباد پر یہی اعتراض کیا گیا ہے کہ اس میں خود مختار ریاست کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ ڈاکٹر وحیدالزمان نے اقبال پر رائے دیتے ہوئے تمام تر توجہ ان کے فلسفہ اور شاعری پر دی ہے۔ ان کی دانست میں اقبال صرف شاعر اور سیاسی فلاسفر تھے۔ وہ اقبال کی سیاسی زندگی کو ان کے آخری عشرہ تک محدود کرتے ہیں۔ سیاسی فلاسفر کی اختراع کو انہوں نے بیان نہیں کیا۔ غالبًا اقبال کی پوری زندگی کی سیاسی کاوشیں روائتی سیاسی تصور سے جدا اور منفرد تھیں اور ادب وفکر سے وابسطہ تھیں، اس لئے سیاسی فلاسفر کہلائے۔ ویسے تو یہ لفظ بھی اقبال کی خدمات کا اعتراف سمجھا جا سکتا ہے، مگر کچھ کسر کے ساتھ۔ مصنف کے ساتھ اس صورت میں اتفاق کیا جا سکتا تھا اگر اقبال کے نظریات ان کی زندگی کے دوران اپنا بھر پور اثر نہ رکھتے، اور ان کے دنیا سے رخصت ہونے کے ایک عرصہ کے بعد سیاسی ماحول پر ان کے نظریات اور افکار اثر انداز ہوتے، لیکن یہ بات کسی ثبوت کی محتاج نہیں کہ اقبال بیسویں صدی کی ابتدا ہی سے ہندوستان کے مسلمانوں کی سیاست سے وابستہ رہے بلکہ پوری قوم کو پہلے تو سمت دی اور پھر اپنے آخری ایام میں عملی طور پر قوم کو منزل کے اتنا قریب کر دیا کہ ان کی وفات کے دو سالوں کے اندرقوم نے اسے پانے کے لئے جدوجہد کا آغاز کر دیا اور صرف سات سال کی قلیل مدت میں اسے پا لیا۔ اس پس منظر میں اگر اقبال کو ہم ایک نہایت کامیاب اور مکمل سیاستدان نہ سمجھیں تو زیادتی ہو گی۔ وحیدالزمان نے اقبال کی زندگی اور اس کی سرگرمیوں کا تجزیہ نہیں کیا، اگر کیا ہوتا تو وہ اقبال کی وہ تمام سرگرمیاں جن میں ان کے خطبات، ان کے خطوط جو کہ انہوں نے مختلف اوقات میں اخبارات

میں دیئے۔ ان کو نظر انداز نہ کرتے۔ ان سب میں اقبال نے الگ وطن کے مطالبے کا ذکر کیا ہے مسلمانوں کو الگ قوم کے ثابت کیا ہے۔ اگر ان تمام خطوط، بیانات اور خطبات کا بغور جائزہ لیا جائے تو اقبال کے خطبۂ الہٰ آباد پر تنقید کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ یہ تنقید بہر حال بیجا ہے، مگر صرف اس وقت ممکن ہے جب صرف اور صرف خطبہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے اور ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ڈاکٹر وحید الزمان نے اپنی کتاب لکھنے میں دوسرے مصنفین کی کتب کا سہارا لیا ہے اور ان ہی کے خیالات کو اپنی کتاب کی نذر کر دیا ہے۔ اگر ان کی نظر سے اقبال کا پورا کلام گزرا ہوتا اور اقبال کی زندگی کی تمام سرگرمیاں بھی انہوں نے معلوم کی ہوتیں تو ان کو اقبال کی فکری آگاہی کا اندازہ ہو جاتا اور وہ پھر اپنی ذاتی رائے قائم کر سکتے تھے، مگر انھوں نے جو اقبال پر رائے دی ہے وہ پچھلی تمام کتب پر مبنی ہے جو اقبال کی سیاسی زندگی کے بارے میں روشنی ڈالتی ہیں۔ ہم اس کتاب میں دوسری کتابوں کی جھلک آسانی سے دیکھ سکتے ہیں، جو اقبال کو تصور پاکستان سے علیحدہ کرنے کے لیے لکھی گئی ہیں۔

عبدالحمید کی کتاب *Muslim Separatism in India* میں اقبال کا سرسری ذکر ہوا ہے۔ مصنف اقبال کی سیاسی زندگی کا ذکر کرتے ہوئے صرف خطبۂ صدارت تک محدود کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

> While the round table conference was yet in session, Muhammad Iqbal adumbrated the plan for an independent Muslim state on the North West of India in his address to the annual Muslim League Allahabad in the last week of 1930. Iqbal was by no means the first to have advocated Partition, as it came to be called.The ground had been prepared for him by some prominent thinkers, Muslims as well as non-Muslims.[۲۰]

مصنف بعد ازاں ان شخصیات کا ذکر کرتا ہے جنہوں نے اقبال کے اس خیال سے پہلے الگ ریاست کی ضرورت کا اظہار کیا ہے۔ اس ضمن میں جن افراد کا ذکر کیا ان میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علی گڑھ (M.A.O. College Aligarh) کے پرنسپل Mr. Later Sir Thoedore Morison انیسویں صدی کے آخر میں، 1922ء میں سردار گل محمد خان، ریذیڈنٹ شمال مغربی سرحدی صوبہ، 1930 میں بھائی پرمانند، ایک انقلابی نے اپنی خودنوشت سوانح حیات میں اور 1928 میں سر آغا خان نے نہرو رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے مسلمانوں کے لئے خود مختار ریاستوں کا نظریہ پیش کیا تھا۔ اس کے بعد مصنف نے اقبال کے خطبہ کے اقتباسات پیش کئے ہیں جس میں اقبال نے مسلمانوں کے لئے علیحدہ وطن کے حصول کو اس وقت کی سیاسی مشکلات کے حل کیلئے ناگزیر قرار دیا ہے، اور نتیجہ کے طور

پر دعویٰ کرتا ہے کہ اقبال کے خطبہ میں کچھ نیا نہیں تھا، جس نے اخباروں میں غیرضروری شور مچایا اور اس طرح اس نے اقبال کے مطالبہ اور تجویز کو غیر اہم قرار دیا اور اقبال کی بطور سیاسی لیڈر اہمیت کو دیگر مورخین سے بھی زیادہ نظر انداز کیا۔

عبدالحمید کی اس کتاب کو پڑھ کر اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کتاب کو لکھنے میں عبدالحمید نے اس سے قبل لکھی گئی کتب سے کافی حد تک استفادہ کیا ہے کیونکہ ان کی اس کتاب میں ان تمام مصنفین جن کا ان سے قبل ذکر ہو چکا ہے خیالات اور اندازِ فکر کا رنگ جھلک رہا ہے۔جن خیالات کا اظہار اشتیاق حسین قریشی، کے کے عزیز، خلیق الزمان اور وحید الزمان نے کیا ہے، وہی خیالات ہمیں اس کتاب میں بھی نظر آتے ہیں۔عبدالحمید نے اپنی تحقیق سے نتائج اخذ کر کے اس کتاب کو مرتب نہیں کیا بلکہ اس سے قبل کی تصانیف کو دیکھ کر ایک ملی جلی رائے ترتیب دی ہے۔تمام مورخین اور مصنفین نے اقبال سے قبل دو قومی نظریئے کی موجودگی پر زور دیا ہے ، عبدالحمید کے مطابق موریسن جو کہ ایم اے او کالج، علی گڑھ کے پرنسپل تھے انہوں نے اور ان کے ساتھ سردار گل محمد خان، بھائی پرمانند اور آغا خان نے مسلمانوں کے لیے الگ اور خود مختار ریاستوں کا مطالبہ پیش کیا تھا۔ خطبۂ الٰہ آباد کی اہمیت کو گھٹانے کے لیے مصنفین نے ایک فہرست تیار کی ہے جس میں ان افراد کا نام درج ہے جنہوں نے الگ ریاست کا نظریہ پیش کیا۔ اس فہرست میں مسلمانوں کے علاوہ ہندو اور انگریز بھی شامل ہیں۔ یہ تمام کوششیں شاید اس لیے ہیں کہ جو مقام علامہ اقبال کو ایک الگ ریاست کے حصول کا مطالبہ پیش کر کے مل گیا ہے وہ ان کو نہ ملے اور کسی طریقے سے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ نظریہ تو بہت پرانا تھا اور بہت سے لوگوں نے اس کو پہلے سے پیش کر دیا تھا۔

اس کتاب میں مصنف نے خود اس بات کا اقرار کیا ہے کہ اخبارات میں اقبال کے خطبے پر بہت شور مچایا جبکہ اس میں ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی کہ اتنا ردعمل سامنے آتا۔ اگر اقبال کے خطبے میں کوئی خاص بات نہیں تھی تو اس خطبے پر ہندوؤں کو کیونکر غصہ آیا اور انگریز بھی خوش نہ ہوا۔ یہ سب اس لیے ہوا کہ اس خطبے میں ان کو مسلمانوں کی بہتری نظر آ رہی تھی اور ہندو اور انگریز کے مفادات کے منافی اس خطبے میں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت پر زور دیا گیا تھا۔ہندوؤں نے ہر اس عمل کی مخالفت کی جو مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے کیا جاتا تھا یا اس سے کسی نہ کسی صورت میں مسلمانوں کو فائدہ پہنچنے کا اندیشہ تھا ، اس کی مثال تقسیم بنگال کی ہے۔ ہندو نے اس پر اتنا شدید رد عمل کیوں کیا ؟ اس لیے کہ وہ مسلمانوں کے لیے بہتر تھا۔اسی طرح اس خطبے میں مسلمانوں کی بہتری

اور بھلائی پوشیدہ تھی، جس پر ہندو اخبارات نے زہر اگلنا شروع کر دیااور یہ بات اہم نہیں تھی تواور کیا تھی کہ مسلمانوں کی طرف سے ایک ایسا عمل سامنے آیا جس میں انہوں نے اپنی حفاظت کے لیے اقدامات کیے تھے۔

اس خیال سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا کہ اقبال سیاستدان نہیں تھے۔ ان کی زندگی کے آخری دس سال ان کی عملی سیاست پر مبنی تھے۔ اقبال بنیادی طور پر ایک شاعر اور سیاسی مفکر تھے اور زیادہ تر اپنی ادبی سرگرمیوں میں مصروف رہے اور چوں کہ وہ ایک حساس ذہن رکھتے تھے اس لئے اپنے اردگرد ہونے والے سیاسی واقعات اور حالات سے خود کو لاتعلق نہ رکھ سکے۔ اقبال کی تو شاعری ، تحریریں اوردوسری ادبی سرگرمیاں بھی تو سیاست سے الگ نہ تھیں۔جب وہ انجمنِ حمایت اسلام کے جلسے میں اپنی نظمیں سناتے تھے تو لوگوں کے آنسو رواں ہو جاتے تھے۔مسلمانوں کی حالتِ زار کی وہ ایسی تصویر کشی کرتے تھے، جو صرف ایک شاعر نہیں کر سکتا، خصوصاً وہ شاعر جو سیاسی بصیرت نہ رکھتا ہو۔نظم 'شکوہ'ایک طرف تو مسلمانوں کی حالتِ زار پراللہ تعالیٰ سے شکوہ ہے، تو دوسری طرف اُس ہیجان اور کسمپرسی کی عکاس کرتی ہے جو ایک ذمہ دار مسلم معاشرہ کے فرد کو حالات کو بہتر کرنے یا دیکھنے میں ناکامی سے پیدا ہوتے ہیں۔یہی احساس ایک سیاستدان کیلئے فعال سیاست کی سیڑھی کے ابتدائی زینوں میں سے ہیں۔ پھر اقبال نے وہاں قیام نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے شکوہ کو 'جوابِ شکوہ' سے مسلمانوں کی پس ماندگی اور ناکامی کی وجہ کو واضح کر کے، اُن خامیوں کے تدارک کی راہ دکھائی۔بہر طور اقبال کی شاعری اور فکرمسلمانوں کی سیاسی حالت کی عکّاسی کرتی ہے اور الٹی بگڑے ہوئے حالات کو بہتر کرنے کیلئے اقبال نے شاعری کا سہارہ لیا۔ اس طرح تلخ ترین بات بھی شعر میں میٹھے اور پسندیدہ انداز میں پیش کی۔

پاکستانی مورخین کے تجزیات اور آراء میں کسی حد تک ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ تمام مورخین نے اپنے پیش رووٴں کی پیروی کرتے ہوئے ان کے ہم خیال نظریات کا اظہار کیا ہے اور اقبال کی سیاسی زندگی اور سوچ کو الہٰ آبادکے خطبہء صدارت تک محدود کر دیا جاتا ہے یا زیادہ سے زیادہ گول میز کانفرنس میں شمولیت تک لے جاتے ہیں، مگر اقبال کی برسوں کی مشقت جس سے ہر مسلمان کا احساس جاگا اور اس طرح ایک مسلم قومیت ابھری انہیں کوششوں کی بدولت برِ صغیر کے مسلمان،من حیث القوم ،ہندو اور انگریز کے مقابلہ کے قابل ہوئے۔

یہ عیاں ہے کہ اقبال کی ذات اتنی کار آمد اور پر اثر تھی کہ ہندوستان کا ہر طبقہ اور قومیت ان کو

اپنانا چاہتی ہے۔اسی لئے انہیں مختلف ٹکڑوں اور حصوں میں بانٹ دیا گیا ہے تا کہ جزوی اور محدود شناخت ہی اقبال پر اپنا اپنا حق جتایا جا سکے۔اسی لئے کچھ مسلم اور زیادہ تر غیر مسلم تجزیہ نگاروں نے انہیں بین القومیتی شخصیت قرار دیا۔ وہ صرف اور صرف مسلمانوں کے ہی سیاسی رہنما تھے۔

اقبال کی تمام کاوشیں شروع میں بظاہر غیر سیاسی اور صرف ادبی محسوس ہوتی تھیں۔ لیکن رفتہ رفتہ آپ نے ہندوستان کے مسلمانوں کو غیر محسوس انداز میں ایک قوم کی لڑی میں پرو دیا اور پھر اپنے اور غیروں پر یکساں ثابت کیا کہ ہندوستان کے مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں اور مسلمان نہ صرف یہ کہ اپنے دین اور اس کے اصولوں سے واقفیت رکھتے ہیں بلکہ اس قابل بھی ہیں کہ اسلام کو بطور ایک اجتماعی ضابطۂ حیات اپنائیں۔ آپ نے قومی اور بین الاقوامی سطح پر اتحاد اور بھائی چارہ کی ضرورت پر زور دیا۔ بیک وقت، بالواسطہ اور بلا واسطہ اقبال نے ہندوؤں اور انگریزوں کو بھی پیغام دیا کہ اسلامی شناخت میں بندھے ہوئے مسلمانوں کو، غلامی کی زنجیروں میں جکڑا نہیں جا سکتا۔

یہ بات اور بھی حیران کن ہے کہ بعض مسلمان اور پاکستانی مورخین اپنی تحریروں میں اقبال کو وہ مقام دینے کو تیار نہیں جس کے وہ حقدار ہیں۔ یہ طرزِ عمل اگر غیر مسلم اور غیر ملکیوں کی طرف سے ہو تو کوئی اچھنبے کی بات نہیں، مگر پاکستان کا مطالبہ کرنے والے اور نظریۂ پاکستان کو ایک قابلِ عمل شکل دینے والی ہستی، ایسے مورخین کے تعصب کا نشانہ بنے جو بظاہر مسلمان بھی ہیں اور پاکستانی بھی، نا قابلِ یقین اور افسوسناک ہے۔اس کی صرف ایک ہی وجہ نظر آتی ہے اور وہ یہ کہ مذکورہ مؤرخین روائتی سیاست یعنی جلسہ، جلوس، پرجوش نعروں اور احتجاج کی سیاست کو ہی سیاست گردانتے ہیں، جو اقبال کی زندگی میں دور دور تک نظر نہیں آتی۔ اقبال کی سیاست اور سیاسی زندگی ہنگامہ آرائی سے پاک تھی۔

تاریخ نویسی اس وقت حقیقت سے دور ہو جاتی ہے جب اس میں مورخ کا ذاتی مفاد حائل ہو جاتا ہے۔ اکثر پاکستانی مؤرخین نے اقبال کو نظریہ پاکستان سے علیحدہ کیا ہے۔ ان کی وجوہات میں پہلی وجہ یہ ہے کے مؤرخین کا تعلق اعلیٰ سرکاری عہدوں سے تھا یا وہ حکومت کے حمایتیوں میں سے تھے اور وہ وقت کی حکومتوں کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر ان کے نظریات کی عکاسی کرتے تھے۔ دوسری وجہ ان مؤرخین کا اقبال سے نظریاتی اختلاف تھا، کیوں کہ اقبال کے برعکس یہ افرد پاکستان کو اسلامی ریاست نہیں بنانا چاہتے تھے۔ تیسری وجہ ان کا یہ خیال تھا کہ چوہدری رحمت علی ہی پاکستان کے نام اور اس کے تصور کے خالق تھے۔ اس لئے وہ اقبال کو وہ مقام نہیں دینا چاہتے تھے جس کے وہ مستحق تھے۔

حوالہ جات

1. Chaudhri Muhammad Ali, *The Emergence of Pakistan*, Lahore Research Society of Pakistan, University of Punjab, 1998, p. 39.
2. *Ibid.*, p. 40
3. Chaudhri Kaliquzzaman, *Pathway to Pakistan*, (Lahore: Feroz Sons, Ltd, 1961), p. 38.
4. *Ibid.*, p. 108.
5. *Ibid.*, p. 238.
6. *Ibid.*, p. 196.
7. Ishtiaq Hussain Qureshi, *The Struggle for Pakistan*, (Karachi: Elite Publisher), 1965, p. 101.
8. Ishtiaq Hussain Qureshi, *The Muslim Community of the Indo-Pakistan Subcontinent (610-1947)*", (Karachi: Ma'aref Limited, 1977), p. 340.
9. Khalid Bin Saeed, *Pakistan: The Formative Phase*, (London: Oxford University Press, 1968), p. 103.
10. Ayub Sabir, *تصور پاکستان، علامہ اقبال پر اعتراضات کا جائزہ*, (Islamabad: National Book Foundation, 2004), p. 259.
11. *Pakistan: The Formative Phase*, p. 105.
12 *Ibid.*, p. 106.
13. K.K.Aziz, *The Making of Pakistan*, (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1998), p. 54.
14. *Ibid.*
15. *تصور پاکستان، علامہ اقبال پر اعتراضات کا جائزہ*, p. 217.
16. Waheed-uz-Zaman, *Towards Pakistan*, (Lahore: Publishers United, Ltd, 1969), p. 124.
17. *Ibid.*, p. 128.
18 *Ibid.*, p. 131.
19. *Ibid.*, p. 132.
20. Abdul Hamid, *Muslim Separatism in India*, (London: Oxford University Press 1967), p. 205.
21. Abdul, Hamid, Dr. *اقبال بحیثیت مفکر پاکستان*, (Lahore: Iqbal Academy, Pakistan), 1977, p. 7.